ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

"اردو زبان وادب" اور ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی کی نثر نگاری

" Urdu Zuban o Adab" and Prose Writing of Dr.S.M. Moen Qureshi

محمد ارشاد
لیکچرار اردو، گورنمنٹ سندھ کالج آف کامرس, حیدر آباد
irshad@gmail.com
ڈاکٹر شذرہ حسین
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی جام شورو
shazra.shar@usindh.edu.pk

Abstract

Dr. S.M. Moin Qureshi is a multifaceted creator. He started his literary life in 1953. From 1962, he started writing regular comics from Majeed Lahori's magazine "Namakdan" and then went on to achieve numerous stages of success. In Urdu and English language, he has written twenty-seven books and three magazines on humor, travelogue, research, criticism, history of literature, religion, social security and advertising. His articles were also published in the newspapers of India, Iran, Turkey, Saudi Arabia, Britain, America and Canada. He wrote columns in "Express Newspaper" under the pen name of "Ibn-e-Mansha" for many years. His tireless efforts in newspapers and magazines covers about sixty-eight years. A book based on the history of Urdu language and literature "Urdu Zuban o Adab" was published in 1986. It is a brief overview of the history of literature. Before the study of writers and poets, an overview of the Urdu language and various genres of literature has been presented.

Keywords: Dr. SM Moin Qureshi, Namakdan, humor, travelogue, research, criticism, history of literature, religion, social security and advertising.

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی کثیر الجہات تخلیق کار ہیں انھوں نے 1953ء میں اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ 1962ء سے مجید لاہوری کے رسالے "نمک دان" سے باقاعدہ مزاح نگاری شروع کی پھر کامیابی کے بے شمار مراحل طے کرتے چلے گئے۔ اردو اور انگریزی زبان میں اُن کی طنز و مزاح، سفر نامہ، تحقیق، تنقید، تاریخِ ادب، مذہب، سماجی تحفظ اور اشتہاریات پر جملہ ستائیس کتب اور تین رسائل ہیں۔ اُن کے مضامین ہندوستان، ایران، ترکی، سعودی عرب، برطانیہ، امریکہ اور کینیڈا کے اخبارات میں بھی شائع ہوئے۔ ان کا فکاہیہ کالم "بر جانِ درویش" پہلے "جنگ اخبار" بعد ازاں "نوائے وقت" میں چھپتا رہا دریں اثنا انھوں نے "ایکسپریس اخبار" میں کئی سال "ابنِ منشا" کے قلمی نام سے کالم نگاری کی۔ اخبارات و رسائل میں ان کی قلمی کاوشوں کا سلسلہ تقریباً اڑسٹھ سال پر محیط ہے۔ اردو زبان و ادب کی تاریخ پر مبنی ایک کتاب "اردو زبان و ادب" 1986ء میں شائع ہوئی۔ یہ تاریخِ ادب کا اجمالی جائزہ ہے۔ اس میں ممتاز ادیبوں اور شاعروں کے مطالعے سے پہلے اُردو زبان اور مختلف اصنافِ ادب کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی کی یہ کتاب "اردو زبان و ادب" تحقیقی، تنقیدی اور تجزیاتی مقالات پر مشتمل ہے۔ کتاب میں اردو زبان کے آغاز و ارتقاء، شاعری، نثر، صحافت، اصنافِ ادب، الفاظ کی تحقیق و تصحیح اور ادبا و شعرا کی خدمات پر چونتیس مقالات لکھے ہیں جو تین ابوب میں منقسم ہیں۔ باب اوّل کے آٹھ مقالات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ اس مقالے کا موضوع ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

"اردو زبان کے آغاز وارتقا" میں اردو زبان کی تاریخ اور اس کی ارتقائی منازل پر جامع گفتگو کی گئی ہے۔ماہرِ لسانیات، محققین، ناقدین، اور مشاہیرِ ادب کے حوالے سے ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں اور غیر ضروری تبصروں سے اجتناب کیا گیا ہے۔اردو زبان کی ابتدا کے حوالے سے چھے اسباب بیان کیے گئے ہیں اور اردو زبان کا لسانی تجزیہ کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ ایک مخلوط زبان ہے لیکن اپنی ساخت اور مزاج کے اعتبار سے دوسری زبانوں سے منفرد ہے۔ گویا اردو زبان اپنے مخصوص لب ولہجے، قواعد اور فصاحت وبلاغت کا الگ نظام رکھتی ہے۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے اس بات کی نشان دہی بھی کی ہے کہ اردو کے سوتے ہندوستان میں پھوٹے ہیں۔جب ایرانیوں، یونانیوں، اور عربوں نے ہندوستان کا رخ کیا اور یہاں کی زمین سے اپنا تعلق قائم کیا تو اس کے اثرات معاشرے، تہذیب وثقافت اور خاص طور پر عوامی بول چال کی زبان پر پڑے۔وہ لکھتے ہیں:

> "خاندانِ غزنوی، خاندانِ غوری، خاندانِ غلامان، خاندانِ خلجی، خاندانِ تغلق، خاندانِ سادات، خاندانِ لودھی اور آخر میں خاندانِ مغلیہ، ان تمام نے اپنی اپنی زبانوں کے نقوش مقامی زبان پر چھوڑے۔اسی دوران دنیا کے کونے کونے سے صوفیائے کرام نے آکر ہندوستان کو رونق بخشی۔1

مقامی زبان ایک مخلوط زبان تھی جسے ابتدا میں ہندوی، ہندوستانی پھر ہندی زبان کہا جانے لگا اور یہی زبان آگے چل کر اردوے معلیٰ بعدازاں اردو کہلائی۔ محققین، مشاہیر اور ماہرینِ لسانیات نے اس کی پیدائش کے حوالے سے مختلف نظریات پیش کیے۔سید سلیمان ندوی نے "سندھ میں اردو" جب کہ حافظ محمود شیرانی نے "پنجاب میں اردو" کا نظریہ اور پنجابی زبان کو اس کا اصل قرار دیا ہے۔ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے اُردو کا سرچشمہ قدیم زبان کو بتایا جس سے پنجابی زبان بنی۔"ڈاکٹر شوکت سبزواری" نے "اردو زبان کا ارتقا" میں اردو کو پالی کی ترقی یافتہ شکل قرار دیا ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے "تاریخ ادب اردو" میں اردو کی تشکیل وترویج کے سلسلے میں محمد بن قاسم کی سندھ اور ملتان کی فتح کو لسانی وتہذیبی تبدیلی کی وجہ قرار دیا ہے۔

الغرض دس صفحات کے اس مختصر مقالے میں مصنف نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔اس سے ان کی علمی استعداد اور مطالعے کی وسعت کا انداز ہوتا ہے۔اس مقالے میں سادہ اور سلیس زبان استعمال کی گئی ہے۔ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی کا اسلوب رواں اور بیانیہ ہے اور جابجا فصاحت وبلاغت کا احساس ہوتا ہے۔

پہلے باب کا دوسرا مقالہ "اردو شاعری" ہے۔اس میں ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے اردو شاعری کے آغاز وارتقا کو موضوع بنایا ہے وہ مشہور ایرانی شاعر رودکی کو "غزل کا باوا آدم" امیر خسرو کو اردو کا پہلا شاعر اور ان کی غزل کو اوّلیت کا درجہ دیتے ہیں جب کہ انور سدید نے اپنی کتاب "اردو ادب کی تاریخ" میں محمد عوفی، امیر خسرو، حافظ محمود شیرانی اور جمیل جالبی کے حوالے سے "مسعود سعد سلمان" کو اردو زبان کا پہلا شاعر قرار دیا ہے۔"2"

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے اردو شاعری کے ارتقا کے حوالے سے سولھویں صدی کے فارسی اور اردو کے مستند اساتذہ: فیضی عبدالرّحیم خان خاناں بعدازاں چندر بھان برہمن کا ذکر کیا ہے اس کے بعد گولکنڈہ اور بیجاپور کے سلاطین شعرا کا ذکر ہے۔دکن کے سلطان قلی قطب شاہ کو اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر اور ولی دکنی کو ریختہ کا موجد قرار دیا ہے۔انھوں نے لکھا ہے کہ ولی کا دیوان دلی پہنچا تو حاتم آرزو، آبرو، ناجی، اور مضمون وغیرہ نے ہندی شاعری میں طبع آزمائی شروع کی۔اردو شاعری میں ایہام گوئی کی بنیاد شاہ حاتم نے رکھی اور پھر شاہ حاتم ہی نے اسے ایک عیب جانا اور اپنے دیوان سے ایہام پر مبنی کے اشعار قلم زد کیے اور باقی ماندہ کلام کو "دیوان زادہ" کے نام سے شائع کیا۔

اٹھارویں صدی اردو شاعری کا تیسرا اور اہم دور ہے۔اسے ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے اردو شاعری اور خاص طور پر اردو غزل کا عہدِ زرّیں قرار دیا ہے اور اہم شعرا کا ذکر کرتے ہوئے ان کے کارہائے نمایاں بیان کیے ہیں۔وہ لکھتے ہیں کہ اس دور میں میر، سودا اور درد جیسے اساتذہ نے فارسی کے ہزاروں الفاظ ومحاورات، نئی تشبیہات، استعارات اور صنائع بدائع اردو میں شامل کیے۔اردو شاعری میں اصناف کے تجربات بھی ہوئے، واسوخت، مخمس، مثلث، مربع، اور مستزاد اردو میں رائج ہوئے۔سودا نے قصیدہ اور ہجو کو عروج بخشا۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی لکھتے ہیں کہ دلی کی تباہی وبربادی کے بعد عوام الناس کی طرح اہلِ علم نے بھی لکھنؤ کا رخ کیا اور لکھنؤ شعر وادب کا مرکز بن گیا۔اس طرح اردو شاعری کے چوتھے دور کا آغاز ہوا۔اس دور کے مشہور شعرا میں میر اثر، جرات، انشا، مصحفی اور رنگین شامل تھے۔اردو شاعری میں ہندی وفارسی کی خاص تراکیب ومحاورات سے نئے الفاظ کا اضافہ ہوا اور معاملہ بندی کا رواج عام ہوا۔آتش وناسخ لکھنوی دبستان کے نمائندہ شاعر تھے۔ان کے کلام سے عورتوں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

کی آرائش و زیبائش کے سامان کی فہرست مرتب کی جاسکتی ہے۔ یہ خارجیت پسندی کے عروج کا زمانہ تھا۔ شعرا محبوب کے ظاہری حُسن کے بیان، رعایتِ لفظی اور صنائع بدائع پر زور دیتے تھے۔ مرثیہ گوئی کا فن مذہبی رجحان کے باعث مقبولِ عام تھی۔ اس فن کو بامِ عروج تک پہنچانے میں میر انیس اور مرزا دبیر نے اہم کردار ادا کیا۔ نظیر اکبر آبادی نے نظم گوئی کو جلا بخشی۔ انھوں نے عوامی موضوعات پر نظمیں کہیں اور عوامی شاعر کہلائے۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے لکھا ہے کہ دلی کے نام ور سخن وروں میں ذوق، غالب، مومن اور ظفر سرِ فہرست ہیں۔ ذوق، غزل اور قصیدے کے استاد تھے۔ مومن عاشقانہ رنگ میں شعر کہنے کا ملکہ رکھتے تھے۔ غالب نے جدت پسندی اور شوخی و ظرافت کا راستہ اختیار کیا جب کہ ظفر نے غزل کے مزاج کو اعتدال میں رکھا۔

1857ء میں مسلمانوں کی سیاسی اور تہذیبی بساط الٹنے کے بعد بہادر شاہ ظفر کو رنگون میں قید کر دیا گیا اور سلطنتِ مغلیہ کے ساتھ ہی سلطنتِ اودھ پر بھی زوال آگیا۔ اسی عہد میں امیر مینائی، داغ دہلوی اور جلال لکھنوی نے شہرت پائی۔ امیر مینائی نے ویسے تو تمام ہی اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی لیکن ان کی طبیعت نعت گوئی کی طرف زیادہ مائل تھی۔ داغ کو اپنی فصاحت و سادگی کی وجہ سے فصیح الملک کہا جانے لگا۔ جلال، لکھنوی طرز کے آخری نمائندہ شاعر تھے۔ نظیر نے بیانیہ نظمیں لکھیں۔ حالی و آزاد سے جدید شاعری کا آغاز ہوا۔ حالی کا ایک اور بڑا کارنامہ قومی نظم مدوجزرِ اسلام (مسدسِ حالی) ہے۔ مولانا اسمٰعیل میرٹھی نے انگریزی طرز کی نظمیں لکھیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اردو شاعری میں سماجی و اخلاقی مضامین کو فروغ ملا بعد ازاں مولانا حسرت موہانی نے قدیم اور جدید کے امتزاج سے اردو غزل کو نئے آہنگ سے روشناس کرایا۔ فانی بدایونی، اصغر گونڈوی اور جگر مراد آبادی حسرت موہانی کے ہم عصر اور ہم نوا ہیں۔ یہ چاروں اردو غزل کی نشاطِ ثانیہ کے عناصرِ اربعہ ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی نے اردو شاعری میں طنز و مزاح سے کام لیا۔ حالی، آزاد اور اکبر کی طرزِ فکر کی تکمیل اقبال نے کی۔ وہ انگریزی تہذیب کے نکتہ چیں اور مشرقی و اسلامی فکر کے علم بردار ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری سے نہ صرف یہ کہ قومی جذبات کو ابھارا بلکہ مردہ قوم میں آزادی کی نئی روح پھونک دی۔

1935ء میں "ترقی پسند تحریک" کا ظہور ہوا۔ جس کے ذریعے اشتراکیت کے نظریات کا پرچار کیا گیا۔ ترقی پسند تحریک کے سب سے قدآور شاعر فیض احمد فیض تھے۔ انھوں نے شاعری کا آغاز 1938ء میں کیا۔ سجاد میر نے ان کی وفات (1984ء) کے بعد ایک مضمون میں انھیں "اردو کا آخری شاعر" لکھا تھا۔

1945ء سے 1947ء تک جوش، حفیظ، اختر شیرانی، احسان دانش، فیض، علی سردار جعفری، ساحر لدھیانوی، احمد ندیم قاسمی، مجروح سلطان پوری، ن۔ م راشد، اور جگن ناتھ آزاد مقبولِ عام شاعر تھے۔ ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر اصنافِ نظم کے تجربے ہوئے۔ نظمِ غیر مقفیٰ (معریٰ نظم)، نثری نظم، اور آزاد نظم پروان چڑھیں۔ آزاد کے فوراً بعد مشہور ہونے والے شعرا میں قمر جلالوی، رئیس امروہوی، قتیل شفائی، حمایت علی شاعر، جمیل الدین عالی، مشفق خواجہ، مخمور بدایونی، عندلیب شادانی، سید محمد جعفری، اقبال عظیم، قابل اجمیری، ضمیر جعفری ایسے قابلِ قدر شعرا شامل ہیں جب کہ تقسیمِ ہند کے بعد مقبول ہونے والی شاعرات میں ادا جعفری، زہرا نگاہ، سحاب قزلباش اور پروین فنا سید نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ ان کا کلام قدیم و جدید کا سنگم ہے۔ کشور ناہید اور فہمیدہ ریاض وغیرہ جدید نظم کہتی ہیں۔ نئی نسل کی شاعرات میں پروین شاکر، شاہدہ حسن، نسرین انجم، فاطمہ حسن، نور جہاں ثروت (بھارت) جدید دور کی نمائندہ شاعرات ہیں۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی کے اس مقالے میں اردو شاعری کے ارتقا کی ایک جامع تصویر نظر آتی ہے۔ اس میں ان کا مافی الضمیر پوری طرح واضح ہے۔ ان کی نثر پڑھتے ہوئے کہیں بھی بوجھل پن کا احساس نہیں ہوتا۔ وہی سادہ اور رواں اسلوب ہے جو ان کی طبیعت کا خاصا ہے۔ اس مقالے میں صرف ایک مقام پر انگریزی لفظ "کنٹری بیوشن" استعمال کیا ہے۔

باب اول کا تیسرا مقالہ "اردو نثر" ہے۔ اس میں ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے اردو نثر کے آغاز و ارتقا پر تاریخی شواہد کی روشنی میں مدلل بات کی ہے۔ انھوں نے اردو نثر کے آغاز کے حوالے سے لکھا ہے کہ آٹھویں صدی ہجری میں اشرف جہانگیر سمنانی کا ایک رسالہ 1308ء میں دریافت ہوا لیکن اردو نثر کا باقاعدہ دور دکنی صوفیائے کرام کے مذہبی رسائل سے شروع ہوا۔ اس حوالے سے "معراج العاشقین" مخدوم شاہ حسینی بیجاپوری اور شیخ عین الدین گنج العلم (795ھ) کی تصانیف اہم ہیں۔

اردو کی پہلی ادبی نثری تصنیف ملا وجہی کی "سب رس" ہے۔ یہ یحییٰ ابنِ سبیک فتّاحی نیشاپوری کے فارسی قصے "حسن و دل" کا ترجمہ ہے۔ اس کا مقفیٰ و مسجّع اسلوبِ نگارش اس کی انفرادیت ہے۔ شمالی ہند میں میاں فضلی دہلوی کی کتاب "دہ مجلس (کربل کتھا) کو اوّلیت حاصل ہے۔ 1212ھ میں میر محمد عطا حسین خاں تحسین نے فارسی قصہ "چہار درویش" کا اردو ترجمہ "نَو طرزِ مرصّع" کے نام سے کیا۔ اردو نثر کا باقاعدہ آغاز تیرھویں صدی ہجری میں ہوا۔ جدید اردو نثر کی بنیاد

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے فورٹ ولیم کالج میں رکھی۔اس وقت فارسی درباری زبان تھی۔رنگین اور پُر تکلّف عبارت کو قابلیت اور سادہ عبارت کو عدم قابلیت پر محمول کیا جاتا تھا۔ایسے میں جان گلکرسٹ نے اردو نثر کو سادگی و سلاست کی راہ سجھائی۔

فورٹ ولیم کالج 1800ء میں انگریز افسروں کو اردو سکھانے کے لیے قائم کیا گیا۔ڈاکٹر جان گلکرسٹ اس کے شعبۂ اردو کے سربراہ تھے۔ان کی سرپرستی میں اردو نثر نگاری و ترجمہ نگاری میں مختلف ادبا نے اپنی سادہ نثر نگاری کی وجہ سے شہرتِ دوام حاصل کی۔مولوی عبدالحق کی تحقیق کے مطابق میر امّن کی باغ و بہار"میر عطا حسین خان تحسین"کی "نو طرزِ مرصّع"کا سلیس ترجمہ ہے۔فورٹ ولیم کالج سے شائع ہونے والی دیگر کتابوں میں "میر شیر علی افسوس کی "باغِ اردو"اور "آرائشِ محفل"،بہادر علی حسینی کی "اخلاقِ ہندی"،حیدر بخش حیدری کی "طوطا کہانی"اور "آرائشِ محفل"،نہال چند لاہوری کی "مذہبِ عشق"قابلِ ذکر ہیں۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی لکھتے ہیں کہ دہلی سے کلامِ پاک کا پہلا اردو ترجمہ مولانا شاہ رفیع الدین اور دوسرا ان کے بھائی شاہ عبدالقادر نے کیا۔دہلی کی تباہی کے بعد لکھنؤ اردو کا مرکز بن گیا اور پُر تکلّف و پُر تصنّع عبارت آرائی کو تقویت ملی۔فقیر محمد گویا کی بستانِ حکمت (ترجمہ انوار سہیلی)اور مرزا رجب علی بیگ سرورؔ کی تصنیف فسانۂ عجائب بہت مشہور ہوئیں۔سرور نے فسانۂ عجائب کے دیباچے میں میر امّن کی سادہ نثر نگاری کا مذاق اڑایا ہے لیکن وقت نے ثابت کیا کہ سادگی و سلاست کا اثر باقی رہنے والا ہے۔لکھنؤ کی ایک اور تاریخی کتاب انشا کی "دریائے لطافت"3" ہے۔اسے اردو کی پہلی صرف و نحو کی کتاب ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔اس کے بعد مرزا غالبؔ کے خطوط کی بے ساختہ اور سادہ و سلیس نثر نے اردو نثر نگاروں کو نئی راہ دپر گامزن کیا۔

1830ء میں سرکاری دفتروں کی زبان اردو قرار دی گئی۔اسی دوران اردو صحافت کا آغاز ہوا۔اردو کا پہلا اخبار "جامِ جہاں نما"1822ء میں کلکتہ سے جاری ہوا۔چند ہفتوں کی اشاعت کے بعد اسے فارسی میں شائع کیا جانے لگا۔اردو کا پہلا باقاعدہ اور مکمل اخبار مولوی باقر کا "اردو اخبار"تھا۔دہلی اور لاہور اردو صحافت کے اہم مراکز بن گئے۔ایک اور اہم اخبار "اودھ اخبار"تھا اسے منشی نول کشور نے جاری کیا۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے اس کے بعد اردو کے عناصرِ خمسہ یعنی سرسید احمد خان،ڈپٹی نذیر احمد،مولانا محمد حسین آزادؔ،مولانا الطاف حسین حالیؔ اور مولانا شبلی نعمانی کا ذکر کیا ہے۔جن کی گراں قدر خدمات نے اردو نثر کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔سرسید نے رسالہ "تہذیب الاخلاق"جاری کیا اور اردو نثر کو عالمانہ اندازِ بیان عطا کیا۔انھیں "اردو کا پہلا مقالہ نگار"کہا جاتا ہے۔وہ ایک ادبی تحریک بانی تھے سرسید کی نثری خدمات کے اعتراف میں حالی نے انھیں اردو نثر کا "مورثِ اعلیٰ"قرار دیا۔اردو نثر میں فورٹ ولیم کالج،دہلی کالج اور غالبؔ کے خطوط کے زیرِ اثر سادگی و سلاست کا رواج عام ہوا۔علی گڑھ تحریک نے مغربی علوم و فنون کو بھی اردو نثر کی زینت بنایا۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے لکھا ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد کا پہلا اردو ناول "مراۃ العروس"ہے اس کے علاوہ "بنات النعش"اور "رویائے صادقہ"بھی اہم ناول ہیں۔مولانا محمد حسین آزاد ایک صاحبِ طرز انشا پرداز تھے۔انھوں نے "آبِ حیات"لکھ کر فنِ تنقید کا معیار بلند کیا۔حالی نے فنِ سوانح نگاری کو فروغ دیا۔حیاتِ سعدی،یادگارِ غالب اور حیاتِ جاوید ان کی سوانح نگاری کے عمدہ نمونے ہیں جب کہ ان کی "مقدمہ شعر و شاعری"کو اردو ادب میں پہلی باقاعدہ تنقید کی کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔شبلی نے تاریخ اور تنقید کے میدانوں میں نام کمایا اور فنِ تنقید کے باقاعدہ اصول مرتب کیے۔"شعر العجم"اس کی بہترین مثال ہے جب کہ تاریخی شخصیات کے حوالے سے ان کی تصانیف "الفاروق"،"المامون"اور "الغزالی"بہت مشہور ہیں۔مولوی سید احمد دہلوی نے "فرہنگِ آصفیہ"کے نام سے اردو کی لغت چار جلدوں میں مرتب کی۔اس کے دیباچے میں مؤلفِ لغت نے اردو نثر کی تاریخ رقم کی ہے۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی کے مطابق مذکورہ کوششوں کے نتیجے میں اکابرینِ ادب کی علمی و ادبی خدمات رنگ لائیں اور اردو نثر فارسی کے غلبے سے آزاد اور اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی۔مولوی عبدالحق نے اردو نثر کی ترقی اور خاص طور پر تحقیق اور تنقید میں اہم کردار ادا کیا۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی لکھتے ہیں کہ ایک عرصے تک یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ امانت لکھنوی نے 1853ء میں سب سے پہلا ڈراما "اندر سبھا"لکھا لیکن جدید تحقیق نے اس دعوے کو باطل ثابت کیا اس کے مطابق پہلا رہس "رادھا کنہیا"واجد علی شاہ نے تحریر کیا۔جدید اردو ڈرامے کی بنیاد میاں حسینی ظریف نے رکھی۔آغا حشر کو "اردو ڈرامے کا مارلو"کہا جاتا ہے۔بیسویں صدی میں اردو ڈراما معاشرتی اور مقصدی راہ اختیار کر گیا۔اور ڈرامے کا فن ایک جست میں روایت سے آگے بڑھ گیا بعد ازاں جدید اور قدیم ڈراموں میں واضح فرق محسوس کیا جانے لگا۔اسی دوران امتیاز علی تاج نے اپنا شاہ کار ڈراما "انار کلی"لکھا۔ڈراما کو ترقی نصیب ہوئی تو ریڈیائی ڈرامے،فلمی ڈرامے اور کامیاب ٹی وی ڈرامے لکھے گئے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ڈرامے کے بعد ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی افسانے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ افسانہ نویسی بیسویں صدی کی پیداوار ہے اور جدید افسانے کے بانی پریم چند ہیں۔جب کہ فرمان فتح پوری نے سجاد حیدر یلدرم کو اردو کا پہلا افسانہ نویس قرار دیا ہے۔ترقی کی منازل طے کرتا ہوا،اردو افسانہ 1945ء میں اپنے عروج کو پہنچ گیا اور اس میں زندگی کے تقریباً ہر پہلو کو افسانے کی صورت میں پیش کیا جانے لگا۔ تقسیمِ ہند کے موضوع پر اردو کے شاہکار افسانے لکھے گئے۔دورِ جدید میں اس فن میں نہ صرف موضوعات کو وسعت ملی بلکہ اس میں نئی تکنیکوں کے تجربات بھی ہوئے۔

اردو نثر میں مزاح نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی لکھتے ہیں کہ :

"اردو میں مزاح نگاری کا آغاز منشی سجاد حسین نے لکھنؤ سے 1877ء میں ایک اخبار "اودھ پنچ" نکال کر کیا تھا۔"4"

اس بیان کی رو سے مصنف نے کئی نثری حوالوں کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔اس میں غالبؔ کے خطوط بھی شامل ہیں جو طنز و ظرافت اور ان کی شوخیِ طبع کے مرقعے ہیں اس کے علاوہ اردو نثر میں مزاح نگاری کے آغاز کے حوالے سے ایک نام شاہ حاتم کا بھی ہے ۔اس کا ذکر ڈاکٹر نجم الاسلام نے اپنی کتاب "مطالعات" میں کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"نسخۂ مفرح الضحک معتدل من طب الظرافت" از شاہ حاتم کا بھی ہے۔خالص مزاحیہ رنگ کی اوّلین نثر ہے۔زمانۂ تحریر قبل 1174ھ "5"

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے دیگر معروف مزاح نگاروں کے فن پر تبصرہ کیا ہے اور مشتاق احمد یوسفی کو موجودہ دور کا عظیم مزاح نگار اور ان کی تصانیف: "چراغ تلے،خاکم بدہن،اور زرگزشت" کو اردو مزاح نگاری کی نئی جہت قرار دیا ہے۔

1935ء میں ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر متعدد ادبا نے اپنے اپنے فن پاروں سے اردو نثر کو ثروت بخشی۔اردو نثر میں فنی موضوعات،اصطلاحات، ترجمہ نگاری،دفتری خط و کتابت کا کام جاری کیا اور اب اردو نثر دنیا کی کسی بھی ترقی یافتہ زبان کی ہم پلہ ہے۔

بارہ صفحات کا یہ مقالہ اردو نثر کی تاریخ اور اس کے ارتقا کا اجمالی جائزہ ہے۔ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے اس مختصر مقالے میں کم و بیش تمام ہی اصنافِ نثر کا احاطہ کیا ہے اور جہاں ضروری خیال کیا اپنی تنقیدی آرا بھی شامل کر دی ہیں۔یہ مقالہ انھوں نے نہایت صاف،سادہ اور پُر اثر انداز میں تحریر کیا ہے۔

اس باب کے چوتھے مقالے کا عنوان "اردو صحافت" ہے۔اس میں ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے اردو صحافت کے آغاز و ارتقا کا عہد وار احوال پیش کیا ہے۔انھوں نے لکھا ہے کہ برِ صغیر میں صحافت کا آغاز انگریزی اخبارات سے ہوا بعد ازاں فارسی اور پھر اردو صحافت شروع ہوئی۔اردو صحافت میں ہندو صحافیوں نے بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔انگریزوں کے مقاصد سیاسی تھے۔انھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے ہندوستان میں اپنے قدم جمائے۔ کمپنی سے بر طرف اور ناراض ملازمین نے انگریزی اخبارات نکالے۔پہلا انگریزی اخبار کلکتہ جنرل ایڈورٹائزر تھا۔اسے اس کے ناشر ہیکز کے نام پر ہیکز بنگال گزٹ بھی کہا جاتا ہے۔اسے 1780ء میں جیمز اگسٹ ہکی نے جاری کیا۔صحافت،ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی کا بھی عملی میدان رہا ہے۔اسی لیے انھوں نے برِ صغیر سے شائع ہونے والے تقریباً تمام ہی اخبارات و رسائل کا ذکر کیا ہے۔یہاں ان سب کا ذکر محال ہے۔لہٰذا معروف اور ضروری اخبارات و رسائل کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔

ہندوستانی زبان کا سب سے پہلا رسالہ "ڈگ درشن" اپریل 1818ء میں بنگالی میں شائع ہوا۔"جامِ جہاں نما" اردو اور فارسی کا پہلا اخبار ہے۔اس کی اردو اشاعت 27 مارچ 1822ء سے شروع ہوئی۔اس کے قارئین کی تعداد کم تھی اس لیے اسے 16 مئی 1822ء سے فارسی اخبار میں تبدیل کر دیا گیا۔

چارلس مٹکاف نے 1835ء میں صحافت کو آزادی دے دی لہٰذا اردو تشہیر و اشاعت کا باقاعدہ آغاز ہوا۔اردو کا پہلا مکمل اخبار "دہلی اخبار" کے نام سے 1836ء میں جاری ہوا۔10 مئی 1840ء سے اس کا نام "دہلی اردو اخبار" رکھا گیا اور بہادر شاہ ظفر کی فرمائش پر جولائی 1857ء میں "الظفر" رکھ دیا گیا۔1837ء میں سید محمد خان (سر سید احمد خان کے بڑے بھائی) نے "سید الاخبار" کی بنیاد رکھی۔1846ء میں اُن کی وفات کے بعد سر سید نے اس کی ادارت سنبھالی اگرچہ وہ اپنی مصروفیت کے سبب اس کی اشاعت طویل عرصے تک برقرار نہ رکھ سکے اور بالآخر یہ اخبار 1850ء میں بند ہو گیا۔1843ء میں مولوی محمد باقر نے ایک اور اخبار "مظہر الحق" کا آغاز کیا جو ان کی شہادت 1857ء تک جاری رہا۔دہلی کالج سے جاری ہونے والے پہلے ہفتہ وار اخبار "قرآن السعدین" کا اجرا 1845ء میں کالج کے پرنسپل اشپرانگر کی نگرانی میں ہوا۔اس میں نہ صرف خبریں بلکہ قصیدے ، غزلیں اور مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔رام چندر نے یکم

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ستمبر 1847ء میں اخبار "خیر خواہ ہند" جاری کیا۔ نومبر 1847ء میں اس کا نام "محبِ ہند" رکھا گیا اس تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ اسی نام (خیر خواہ ہند) سے ایک اور اخبار مرزا پور سے شائع ہوتا تھا۔ یوں دہلی کالج کے اخبار ورسائل نے ادبی صحافت کا سنگِ بنیاد رکھا۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی لکھتے ہیں کہ 1857ء میں لارڈ کیننگ نے صحافت میں قانونِ زباں بندی (Gagging Act) جاری کیا۔ اس کے سبب پریس کے لیے لائسنس کا حصول لازمی قرار پایا۔ حکومت کو نہ صرف سنسر شپ اور اخبار بند کرنے کے اختیارات مل گئے بلکہ مدیروں کو حق گوئی پر کڑی سزائیں سنانے کا اختیار بھی مل گیا اور اسی قانون کے تحت کئی مدیران و مالکان کو پابندِ سلاسل کیا گیا۔ تاہم جنگِ آزادی کے بعد اردو صحافت میں نئے دور کا آغاز ہوا۔ 1859ء میں لکھنؤ سے منشی نول کشور نے "اودھ اخبار" شائع کیا۔ 1866ء میں سر سید نے سائنٹفک سوسائٹی (علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ)، اور 1870ء میں تہذیب الاخلاق (محمڈن سوشل ریفارمر) جاری کیے۔ 1877ء میں منشی سجاد حسین کی ادارت میں "اودھ پنچ" جاری ہوا۔ انجمنِ پنجاب (1864ء) کے زیرِ اہتمام رسالہ "انجمنِ اشاعتِ مطالبِ مفیدہ" محمد حسین آزاد کی زیرِ ادارت شائع ہوا۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی لکھتے ہیں کہ بیسویں صدی کے آغاز میں بابائے صحافت، مولانا ظفر علی خاں کے رسالے "زمیندار" کی اشاعت کا آغاز ہوا۔ مولانا محمد علی جوہر نے "ہمدرد" اخبار 1911ء کلکتہ سے شائع کیا۔ 1912ء میں ابوالکلام آزاد نے پہلا باتصویر جریدہ "الہلال" جاری کیا۔ عصرِ حاضر کے کئی اخبارات ورسائل مقبولِ عام تھے جن کی وجہ سے بہت سے ادبا، شعرا اور کالم نگاروں نے خوب نام کمایا۔ اس دور کے اہم جرائد میں: "ساقی، عالمگیر، ہمایوں، ادبی دنیا کے علاوہ نیاز فتح پوری کا "نگار" عبدالماجد دریا آبادی کا "صدق" حسرت موہانی کا "اردوئے معلّٰی" اور سر عبد القادر کا ماہنامہ "مخزن" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ "6"۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی کی تحقیق کے مطابق بیسویں صدی کے ربع اوّل میں کئی ماہنامے خالص ہندو نظریات کے علمبردار تھے اسی طرح سکھوں نے اپنا ترجمان "اجیت" کا اجرا کیا۔ 1940ء کے عشرے میں دو بڑے اخبار "جنگ اور نوائے وقت" جاری ہوئے۔ ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی کی تحقیق کے مطابق تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان میں اردو صحافت نے بہت ترقی کی۔ یہاں کے اخبارات: اشاعت، طرزِ ادا اور معیارِ طباعت کے اعتبار سے ہندوستانی صحافت سے آگے نکل گئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد "جنگ" اور "نوائے وقت" کثیر الاشاعت اخبارات بن گئے۔ جنگ، ایک ہفت روزہ "اخبارِ جہاں" بھی شائع کرتا ہے۔ اس کے علاوہ مقامی خبروں پر مشتمل اخبارات اور فلمی جرائد بھی شائع ہوتے ہیں۔ عوامی سطح پر اردو کو متعارف کرانے میں اردو ڈائجسٹوں کا بھی اہم کردار ہے۔ علمی و ادبی سطح پر "سیپ، افکار، فنون، اوراق، نیا دور اور نمک دان" ایسے مجلّات نے ان مٹ نقوش چھوڑے۔ بقول ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی:

> "حقیقت یہ ہے کہ آج اردو صحافت نہ صرف مضامین اور مندرجات کے اعتبار سے کسی بھی ترقی یافتہ زبان کی صحافت کے ہم پلہ ہے بلکہ طباعت و اشاعت اور تزئین و تربیت کے محاسن کے اعتبار سے بھی جدید ترین اوصاف سے مالا مال ہے۔ "7"۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے اس مقالے میں اردو صحافت کی تاریخ اور اس کے ارتقا کو نہایت دلچسپ انداز میں لکھا ہے وہ ثقیل الفاظ کی بھرمار سے اپنی عبارت کو بوجھل نہیں بناتے۔ بلکہ اپنی عبارت میں سادگی اور روانی قائم رکھتے ہیں۔

پہلے باب کے پانچویں مقالے کا عنوان "اردو ناول نگاری" ہے۔ اس مختصر مقالے میں ڈاکٹر ایس ایم قریشی نے لفظ ناول کے ماخذ اور معنی کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تاریخی اہمیت اور سماجی ضرورت پر نہایت جامع گفتگو کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اردو میں داستان گوئی کوئی نئی بات نہیں۔ اردو زبان میں بھی ابتدا ہی سے سنسکرت اور ہندی زبانوں کے اثر سے طبع زاد قصے لکھے جا چکے تھے۔ شروع میں یہ داستانیں مذہبی نوعیت کی تھیں بعد ازاں اخلاقی قصوں نے اس میں جگہ پائی اور پھر فورٹ ولیم کالج کے سبب مافوق الفطرت داستانوں کی بھرمار ہو گئی اور جب آہستہ آہستہ داستانوں کے مطالعے کا شوق عوام میں بڑھا تو ڈپٹی نذیر احمد نے اردو میں معاشرتی قصے لکھنا شروع کیے۔ ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی لکھتے ہیں:

> ان (ڈپٹی نذیر احمد) کے بعد قصے موجودہ ناول کی حدود تک ضرور پہنچتے ہیں لیکن ان میں بھی دورِ حاضر کے اصولِ ناول نویسی کی پوری پیروی نہیں پائی جاتی۔ وہ اوّل سے آخر تک نصیحت آمیز ہیں اور کسی معاشرے یا تعلیمی مضمون یا کسی مذہبی مسئلے پر ایک زبردست وعظ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ "8"۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی بہر حال ڈپٹی نذیر احمد کے فن کے قائل ضرور تھے کیوں کہ وہ لکھتے ہیں کہ انھوں (نذیر احمد) نے مافوق العادات قصوں کو اپنی تصانیف سے خارج اور عام زندگی کے واقعات کو منظم پلاٹ کی صورت میں سادہ، سلیس اور رواں زبان میں بیان کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ تاریخی تناظر میں نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار قرار دینے کے حق میں ہیں۔اس کے بعد ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی، پنڈت رتن ناتھ سرشار اور ان کے طویل قصے (فسانۂ آزاد) کا احوال لکھا ہے جو اودھ اخبار میں قسط وار چھپتا رہا اور لکھنوی معاشرت کا مرقع قرار پایا لیکن وہ اس قصے کو بھی مکمل ناول نہیں سمجھتے اور بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ انگریزی تہذیب کا اثر ہر شعبۂ زندگی پر گہرا ہوتا جارہا تھا۔اسی اثر کے سبب انگریزی ناول اردو میں ترجمہ ہوئے۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی کے مطابق سب سے پہلے انگریزی طرز کے ناول عبدالحلیم شرر نے لکھے شرر کی ناول نگاری کے سبب فنِ ناول نگاری، ایک باقاعدہ صنف کی حیثیت اختیار کر گیا۔ محمد عبدالقادر سروری نے شرر کی منفرد خصوصیات کی بنا پر انھیں "اردو کا رچرڈسن قرار دیا۔شرر نے اسلامی تاریخ کے انقلاب انگیز واقعات کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا ہے۔ان کا دور انیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں سے بیسویں صدی کی ابتدائی تین دہائیوں تک پھیلا ہوا ہے۔اسے اردو ناول کا زریں دور کہا جاسکتا ہے۔بعد ازاں حکیم محمد علی خاں اور مرزا ہادی رسوا نے اعلیٰ پائے کے ناول لکھے۔خاص طور پر رسوا کا ناول "امراؤ جان ادا" اعلیٰ درجے کا ناول ہے۔بیسویں صدی کے نصف اوّل میں علامہ راشد الخیری نے ڈپٹی نذیر احمد کے اصلاحِ معاشرہ کے کام کو آگے بڑھایا اسی نسبت کے سبب انھیں ،رام بابو سکسینہ نے نذیر احمد کا جانشین قرار دیا۔راشد الخیری نے اپنی نگارشات میں عورتوں کے مسائل، نہایت پُراثر انداز میں بیان کیے ہیں اسی سبب سے انھیں "مصورِ غم" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اسی اثنا میں نیاز فتح پوری نے چند غیر معمولی ناول لکھ کر اردو ناول نگاری میں نام کمایا اس کے بعد ایک اہم نام منشی پریم چند کا ہے۔وہ اردو ناول نگاری میں نئے عہد کا درجہ رکھتے ہیں۔انھوں نے عام انسان کی زندگی کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔

ترقی پسند تحریک کے اثر سے اردو افسانے کی طرح اردو ناول میں بھی ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ کرشن چندر اور عصمت چغتائی نے بھی اردو ناول کی ثروت میں گراں قدر اضافہ کیا۔عزیز احمد اور احسن فاروقی نے اپنی بہترین صلاحیتوں اور فنی شعور سے اس فن کو نکھارا۔ قراۃ العین حیدر نے اسے ایک نیا تہذیبی شعور عطا کیا۔اس حوالے سے ان کا تاریخی ناول "آگ کا دریا" اردو ناول کا ایک نیا موڑ ہے۔خدیجہ مستور اور جمیلہ ہاشمی وغیرہ بھی ناول نگاری میں ممتاز مقام رکھتی ہیں۔قیامِ پاکستان کے بعد اردو ناول کے فن اور موضوعات میں مختلف تجربات ہوئے۔اردو میں اعلیٰ پائے کے جاسوسی ناول بھی لکھے گئے۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی فنِ ناول نگاری کے حوالے سے بہت مطمئن نظر آتے ہیں۔اس مختصر مقالے میں انھوں نے اردو ناول نگاری پر سیر حاصل گفتگو کی ہے جس سے ان کے مطالعے کی وسعت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ان کی تحریر کا اسلوب، سادہ، سلیس اور رواں ہے۔

"اردو ڈراما نگاری" باب اوّل کا چھٹا مقالہ ہے۔آغاز میں ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے اس صنفِ ادب کا تاریخی پس منظر پیش کیا ہے اور اس کے معنی و ماخذ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس کا سرچشمہ محاکات اور نقالی ہے اور یہ انسانی سرشت میں شامل ہے جب کہ اسلام نے اسے بدعت قرار دیا اور اس کی مذمت کی اس لیے اہلِ فارس و اہلِ عرب نے ایک لمبے عرصے تک اس سے روگردانی کی اور جب اہلِ فارس نے اپنایا بھی تو شروع میں اسے مذہبی رنگ دیا اور واقعاتِ کربلا کو ڈرامے کی صورت میں پیش کیا۔(اس طرز کے ڈراموں کو پیشن پلے کہتے ہیں) انگلستان اور یورپ نے ڈرامے کو تبلیغ کے لیے اور ہندوستان میں ہندوؤں نے اپنی مذہبی روایات کے پرچار کے لیے اختیار کیا۔یہ ہندوی روایت کا حصہ ہے جو دو ہزار سال قدیم ہے۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے ہندو تہذیب و معاشرت کے اثرات قبول کیے لہٰذا تدریج کے ساتھ اردو میں بھی ڈرامے لکھے جانے لگے۔قدیم تحقیق کے مطابق اردو کا پہلا ڈراما 1853ء میں امانت لکھنوی نے "اندر سبھا" کے نام سے تحریر کیا تھا لیکن جدید تحقیق نے ثابت کیا کہ اردو کا پہلا ڈراما "رادھا کنھیا" ہے۔جسے واجد علی شاہ نے رہس کی صورت میں سنہ 1847ء میں لکھا تھا۔ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے لکھا ہے:

> "ہندو دیومالاؤں کے قصوں سے متاثر ہو کر پارسیوں نے رستم و سہراب کے قصوں کو ناٹک کی صورت دی۔اس سلسلے میں سنہ 1880ء کے لگ بھگ سب سے پہلی کمپنی (اوریجنل تھیٹریکل کمپنی) سیٹھ پسٹن جی فرام جی نے قائم کی جنھیں رام بابو سکسینہ اردو اسٹیج کا "ابوالآبا" قرار دیتے ہیں۔"9"۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے لکھا ہے کہ جدید طرز کی ڈراما نگاری کا بنیاد کی میاں حسینی ظریف نے رکھی۔انھوں نے تجارتی بنیادوں پر قائم ہونے والی اوریجنل تھیٹریکل کمپنی کے لیے عام بول چال کی زبان میں کئی ڈرامے لکھے جو بہت مقبول ہوئے۔1881ء میں امپریل تھیٹریکل کمپنی قائم ہوئی۔حافظ عبداللہ کے ڈراموں نے اس کمپنی کی سرپرستی میں شہرت پائی۔انیسویں صدی کے اختتام تک اردو ڈرامے میں مختلف تجربات ہوئے۔مثلاً، مکالمے، مقفّیٰ نثر میں لکھے جانے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

لگے، ناچ گانا، لازمی جز قرار پایا حتیٰ کہ نثری مکالموں کی جگہ نظم نے لے لی مزید یہ کہ ڈراموں میں گھسے پٹے قصوں کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جانے لگا اور اس میں رونما ہونے والی پست حرکات نے اخلاقی سطح پر ڈرامے کے معیار کو ٹھیس پہنچائی۔ لہٰذا اردو ڈرامے کے معیار کو بہتر بنانے اور اس کو وسعت دینے کے لیے شکسپیئر کے انگریزی ڈراموں کے ترجمے کیے گئے۔

بیسویں صدی سے اردو ڈراما نگاری کے نئے دور کا آغاز ہوا۔ اس میں معاشرتی، اصلاحی اور مقصدی ڈراموں کی بنیاد پڑی اور سیاسی ڈرامے بھی منظرِ عام پر آئے۔ اس دور میں ڈراموں کے موضوعات اور مضامین میں وسعت پیدا ہوئی۔ کردار اور پلاٹ میں ترقی ہوئی۔ قصوں کی پیش کش میں عمدگی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی فرق پیدا ہوا۔ حکیم احمد شجاع نے "باپ کا گناہ" اور سید امتیاز علی تاج نے "انار کلی" ایسے مقبولِ عام ڈرامے لکھے۔ بیسویں صدی کی ابتدا کا یہ دور آغا حشر کا دور کہلاتا ہے جو ابتدائی تین دہائیوں پر محیط ہے۔ آغا حشر نے بھی دیگر ڈراما نگاروں کی طرح شیکسپیئر کے انگریزی ڈراموں کے اردو ترجمے کیے۔ آغا حشر کے ہم عصروں میں دیگر کئی ڈراما نگار ابھرے لیکن ان کے فن کے آگے سب کا چراغ گل ہو گیا۔ وہ نظم و نثر دونوں میں استاد کا درجہ رکھتے تھے اپنے ڈراموں میں انھوں نے اپنی ان دونوں صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا۔ آغا حشر کے مکالموں میں جذبات کی شدت ہے اسی لیے ان پر بجا طور پر اخلاق سوز مکالموں اور اشعار کے الزامات لگے لیکن ان کی گراں قدر خدمات اور جرات مندانہ تجربات نے اردو ڈرامے کی ساخت ہی بدل ڈالی۔ ان کے آخری عمر کے ڈراموں میں متانت، سنجیدگی اور اصلاحی رنگ غالب ہے۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی لکھتے ہیں کہ دورِ حاضر میں "یک بابی" ڈراما نگاری پر بھی توجہ دی جا رہی ہے۔ یک بابی ڈرامے ایک نشست یا ایک محفل میں ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ اس قسم کے ڈراموں کو تمثیل کہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ تمثیل عام طور پر نشر کرنے کے لیے لکھی جاتی ہیں۔ وہ ریڈیو اور ٹی وی ڈراموں کو اصلاحِ معاشرہ کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ ڈرامے عوام کے اخلاق کی تعمیرِ نو کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے اردو ڈراما نگاری سے متعلق ہر اہم بات، اہم شخصیت اور ڈرامے کی ہئیت اور تکنیک کی ارتقائی تبدیلیوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اس مقالے میں وہ اپنی بات دلکش انداز میں بیان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ موزوں الفاظ کا استعمال کرتے ہیں اور سادگی و سلاست کا دامن نہیں چھوڑتے۔

"اردو افسانہ نگاری" باب اوّل کا ساتواں مقالہ ہے۔ اس مقالے میں ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے اردو افسانے کے اصطلاحی معنٰی، پس منظر، تاریخ اور اس کی ارتقائی منازل پر علمی و ادبی گفتگو کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اردو افسانہ بیسویں صدی میں صنعتی انقلات کے زیرِ اثر لکھا جانے لگا۔ اس نے فن کی ارتقائی منزلیں براہِ راست مغربی قصوں کے اثر سے طے کیں۔ سیّد وقار عظیم نے مولانا محمد حسین آزاد کی "نیرنگِ خیال" کو اردو افسانے کا سنگِ بنیاد قرار دیا۔ اس کے شاعرانہ اسلوب کے سبب یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ اردو افسانے پر ابتدا میں داستانی رنگ غالب تھا۔ اردو کا پہلا افسانہ نگار کون ہے؟ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی لکھتے ہیں:

> "عام طور پر پریم چند کو جدید افسانہ نگاری کا بانی سمجھا جاتا ہے مگر ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی تحقیق کے مطابق یہ صحیح نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پریم چند کا پہلا افسانہ "انمول رتن" سنہ 1907ء میں شائع ہوا تھا جب کہ اس سے قبل سجاد حیدر یلدرم کا افسانہ "نشہ کی پہلی ترنگ" سنہ 1900ء میں شائع ہو چکا تھا اس لیے یلدرم اردو کے پہلے افسانہ نگار ہیں۔"10"۔

ڈاکٹر انوار احمد زئی نے پہلے افسانے کی بابت لکھا ہے کہ:

> "ڈاکٹر معین الرّحمٰن نے یلدرم کے افسانے "نشے کی پہلی ترنگ" کو اردو کا پہلا باقاعدہ افسانہ قرار دیا تھا جب کہ خود یلدرم نے ایک مختصر نوٹ میں یہ وضاحت کر دی تھی کہ یہ افسانہ ترکی زبان کے رسالے "ثروتِ فنون" سے ترجمہ کیا گیا ہے۔"11"۔

اور اس ضمن میں مرزا حامد بیگ رقم طراز ہیں:

> "ڈاکٹر مسعود رضا خاکی 1965ء میں پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے لیے اپنا تحقیقی مقالہ لکھتے ہوئے رقم طراز ہوئے کہ "1903ء میں "مخزن" میں راشد الخیری کا "نصیر اور خدیجہ" شائع ہوا تھا جس کو اردو کا پہلا افسانہ سمجھا جاتا ہے۔"12"

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

جب کہ ڈاکٹر سنبل نگار اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتی ہیں:

"راشد الخیری اور سجاد حیدر یلدرم کو بعض اصحاب نے اردو کے اوّلین افسانہ نگار کہا ہے لیکن فنی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو پریم چند اردو کے پہلے افسانہ نگار قرار پاتے ہیں۔ انھوں نے اردو افسانے کو مستحکم بنیاد عطا کی۔ دیہات کی زندگی اور دیہات کے مسائل کو افسانے میں جگہ دی۔ حقیقت نگاری کی روایت قائم کی اور سیدھی سادی زبان کو وسیلۂ اظہار بنایا۔"13"۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی لکھتے ہیں کہ اردو افسانے کا پہلا دور بیسویں صدی کی ابتدائی تین دہائیوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں اصلاحی اور رومانی افسانے لکھے گئے۔ پریم چند نے غریب اور محنت کش عوام کے مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ ان کے افسانے اپنے دور کے معاشرتی مسائل کا احاطہ کرتے ہیں۔ نہ صرف پریم چند بلکہ ان کے ہم عصر افسانہ نگاروں کے پیشِ نظر بھی قومی اصلاح، بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اردو افسانے کا دوسرا دور 1930ء سے 1935ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور کے افسانہ نگاروں نے نہ صرف ذاتی مشاہدات اور غور و فکر سے کام لے کر افسانے لکھے بلکہ اپنے عہد کے شدید معاشی بحران اور سیاسی بے چینی سے اثرات قبول کیے اور انھیں افسانے کی شکل دی۔ اسی دور میں دیگر زبانوں کے افسانوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا گیا اور نئے افسانہ نگاروں نے مغربی رنگ میں مؤثر اور دلکش افسانے لکھے۔ اردو افسانے کا تیسرا دور 1935ء سے 1947ء تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ افسانے کی فنی پختگی کا دور ہے۔ 1935ء میں ترقی پسند تحریک بھی شروع ہو چکی تھی۔ 1935ء سے 1955ء تک اردو افسانے پر اسی تحریک کا اثر نمایاں ہے۔ اس تحریک سے متاثر ہو کر افسانہ نگار زندگی کے منفی اور تاریک پہلوؤں کو موضوع بنا کر معاشرتی حالات کی بہتری کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ ان افسانہ نگاروں نے معیشت اور معاشرت کے ساتھ ساتھ اخلاقی، نفسیاتی، جنسی ،اصلاحی اور سیاسی موضوعات پر فکر انگیز افسانے لکھے حتیٰ کہ ان افسانوں میں طنز و مزاح کی چاشنی بھی ملتی ہے۔ اردو افسانے کا چوتھا دور 1947ء سے 1960ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں تقسیمِ ہند کے سانحے کا اثر اردو افسانے پر نمایاں رہا ہے۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی لکھتے ہیں کہ نو آموز افسانہ نگاروں نے بہت جلد یہ جان لیا کہ افسانے کے لیے نہ تو فسادات اور نہ ہی جنسی موضوعات موثر ہیں اس کے برعکس ان کی نظر زندگی کے نئے مسائل مثلاً بے روزگاری، جاگیر دارانہ نظام اور معاشی استحصال پر تھی۔ 1960ء سے اردو افسانے کا پانچواں دور شروع ہوا جو تا حال جاری ہے۔ اس دور میں اردو افسانے میں جدید تکنیک کے کامیاب تجربات ہوئے۔ خاص طور پر علامتی افسانہ نگاری پر توجہ دی گئی۔ ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی علامت کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں کہ علامت وہ کیفیت ہے جو ذہن کو کسی خاص چیز یا خیال کی جانب منتقل کرتی ہے۔ یہ ایسی معنویت کو سامنے لاتی ہے جسے عام الفاظ اپنی گرفت میں نہیں لا سکتے۔ 1970ء میں علامتی طرزِ تحریر نے بھی کروٹ بدلی اور اردو افسانہ تجرید سے تجسیم اور حقیقت نگاری کی طرف لوٹ آیا۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے اردو افسانے کے تقریباً ہر ایک پہلو مثلاً، افسانے کی تاریخ، اہمیت، فن تکنیک اور ادوار پر نہایت جامع گفتگو کی ہے۔ ان کے ہاں بیان کا لطف اور اسلوب کی لطافت موجود ہے

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی باب اوّل کے آٹھویں مقالے "الفاظ کی تحقیق و تصحیح" میں زبان و بیان اور الفاظ کی صحت کے حوالے سے بہت حساس نظر آتے ہیں انھوں نے نہایت توجہ اور باریک بینی سے معمولی معمولی پہلوؤں کو غیر معمولی انداز میں واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ اردو زبان کس طرح اپنی صحیح سمت میں سفر کرتے ہوئے ادبی لوچ اور شیریں بیانی سے مالا مال ہوئی ہے۔ یہ مقالہ ان کی لسانی مہارت اور صحتِ زبان کا منھ بولتا ثبوت ہے اور اس میں انھوں نے الفاظ کی تصحیح، اس کے اوزان، اصول اور قواعد بیان کرنے سے پہلے دو غلط فہمیوں کی اصلاح بھی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب ایک زبان میں دیگر زبانوں کے الفاظ شامل ہوتے ہیں تو انھیں اُسی زبان کے اصُول و ضوابط کے مطابق استعمال کرنا چاہیے۔ دوسرا یہ کہ جو الفاظ دیگر زبانوں سے اردو میں شامل ہوں ان کی لغت اور قواعد (صرف و نحو) اگرچہ ماخذی زبان کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں انھیں "غلط العام فصیح" کے تحت جائز قرار دیا جانا چاہیے۔ متعدد صاحبِ علم حضرات ہر عہد میں استعمالِ عام کو سند مانتے رہے ہیں اور اردو الفاظ کے لیے صراح و قاموس سے سند لینے کو غلط عمل قرار دیتے رہے ہیں۔ سید سلمان ندوی، نقوشِ سلیمانی میں رقم طراز ہیں:

"لفظ خواہ کسی قوم و ملک کے ہوں مگر جب وہ دوسری قوم اور ملک کی زبان میں چلے جاتے ہیں تو اُن کی مثال اُن لوگوں کی سی ہے جو پیدا کہیں ہوئے ہوں۔ لیکن جب کسی دوسرے ملک کی رعایا بن جاتے ہیں تو اس دوسرے ملک کے قاعدے اور قوانین ان پر چلا کرتے ہیں اس وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ان کی پیدائش کہاں کی ہے اور یہ پہلے کس کی رعایا تھے۔"14"۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے دوسری زبانوں سے اردو میں لیے گئے لفظی اور معنوی تغیرات کا ذکر کیا اور اس حوالے سے چند مثالیں پیش کیں۔پہلے عربی کے کچھ ایسے الفاظ کی فہرست دی ہے جو عربی میں اردو معنی کے خلاف رائج ہیں پھر چند ہندی الفاظ کی فہرست دی ہے جو اردو میں مستعمل ہیں۔ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی خوب جانتے ہیں کہ ہر زبان دوسری زبانوں سے کچھ نہ کچھ الفاظ ضرور مستعار لیتی ہے اسی لیے انھوں نے انگریزی الفاظ کی فہرست بھی دی ہے جو عربی و فارسی سے انگریزی میں رائج ہوئے ہیں اور آخر میں انھوں نے سنسکرت کے ایسے الفاظ کی فہرست دی ہے جو اردو میں رائج ہوئے ہیں۔الفاظ کے ردّ و قبول کا معیار ان کے نزدیک مستند ادبا، شعرا اور فضلا کا کلام ہے۔اکثر دیکھا گیا ہے کہ زبان و قواعد سے انجان افراد کسی لفظ کا غلط استعمال کرتے ہیں اور وہ رواجِ عام پالیتا ہے حالاں کہ وہ لغت اور قواعد کی رُو سے غلط اور قابل ترک ہوتا ہے۔یہاں انھوں نے کئی الفاظ کی نشاندہی بھی کی ہے جو اردو میں غلط رائج ہیں۔پھر انھوں نے تلفظ کی مثال کے لیے اعراب کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ الفاظ میں "ی" کے بجائے "ہمزہ" اور "ہمزہ" کی جگہ "ی" لکھا جاتا ہے ان کی وضاحت کے بعد کچھ الفاظ میں ہمزہ کے محذوف ہونے کی مثالیں اور چند الفاظ کی تصحیح ان کے معروف تلفظ والے الفاظ کے ذریعے بھی کی ہے۔بعد ازاں چند معدولہ الفاظ کی مثالیں بھی ہیں اور قدیم وجدید املا کی تصریح بعض مثالوں سے کی ہے۔اس طرح اردو میں رائج غلط املا کی اصلاح اور ضروری الفاظ کی فہرست بھی دی ہے۔اس کے بعد غلط اور صحیح جملے لکھے ہیں جن میں الفاظ و تراکیب اور روزمرہ سے متعلق مفصل گفتگو ہے۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے اس مقالے میں صحتِ زبان کے حوالے سے الفاظ و محاورات اور تراکیب کی اصلاح پر زور دیا ہے اور اصول و قواعد کے مطابق اس کا استعمال ضروری خیال کیا ہے مبادا غلط الفاظ تحریر و تقریر میں استعمال کیے جائیں اور انھیں "غلط العام فصیح" کے تحت صحیح اور جائز قرار دیا ہے پھر انھوں نے غلط العام فصیح اور غلط العوام فصیح کے حوالے سے بحث کی ہے۔اور مشاہیرِ ادب اور ناقدینِ ادب کی آرا پیش کی ہیں آخر میں انھوں نے درست تلفظ کی وضاحت کرتے ہوئے عربی کے مصادر اِفعَال، تَفعِیل، مُفَاعَلَت، تُفَاعُل، اِفتِعَال، اِستَفعَال، اِنفِعَال کے تحت الفاظ کے اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کا تلفظ و معنٰی درج کیے ہیں۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے ستائیس صفحات کے اس مقالے میں تلفظ، املا اور قواعد و انشا کے تقریباً ہر پہلو سے زبان کی اصلاح کا فرض ادا کیا ہے۔اس سے ان کی زبان دانی کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔اسے پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ مصنف نے اسے مرتب کرنے میں تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے۔مقالے کا اسلوب رواں سادہ اور سلیس ہے۔

حواشی و تعلیقات

1۔ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی، اردو زبان و ادب (شیخ شوکت علی اینڈ سنز، 1986ء) ص،18-19۔

2۔ ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی تاریخ (2013-14ء) ص،84-85۔

3۔ قواعد اردو۔ سید انشا اللہ خان انشا اور مرزا قتیل کی مشترکہ تصنیف۔ بزبان فارسی جو 1808ء میں لکھی گئی۔ یہ اردو کی سب سے پہلی قواعد اور دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں اردو زبان کے مختلف نمونے اور قواعد بیان کیے گئے ہیں۔ دوسرے میں عروض، قافیہ، منطق، علم معانی، علم بیان وغیرہ کا ذکر ہے۔ انداز تحریر ظریفانہ ہے۔ مثلا تقطیع میں مفاعیلن مفاعیلن کی بجائے پری خانم پری خانم اور مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن کی جگہ بی جان پری خانم بی جان پری خانم درج ہے۔ چونکہ یہ اردو کی پہلی قواعد ہے اس لیے اس کا درجہ بلند ہے۔

سعید لخت، اردو انسائیکلوپیڈیا (فیروز سنز، 1987ء) ص،473۔

4۔ ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی، محولہ بالا، ص،49۔

5۔ نجم الاسلام، مطالعات (پبلشر ندارد، سنہ ندارد) ص،4۔

6۔ ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی، محولہ بالا، ص،60-58۔

7۔ ایضاً، ص،64۔

8۔ ایضاً، ص،68۔

9۔ ایضاً، ص،73۔

10۔ ایضاً، ص،78۔

11۔ڈاکٹر انوار احمد زئی، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ 152۔افسانہ نگاروں کا تذکرہ (مقتدرہ قومی زبان، سنہ ندارد) ص،42۔

12۔ مرزا حامد بیگ، اردو افسانے کی روایت 1903-2009ء (دوست پبلی کیشنز) ص،38۔

13۔ڈاکٹر سنبل نگار، اُردو نثر کا تنقیدی جائزہ (زبیر بُکس، لاہور) ص،151-150۔

14۔ مولانا حفیظ الرّحمٰن واصفؔ، ادبی بھول بھلیاں (کلر پرنٹنگ پریس، دہلی 1979ء) ص،8۔